اکیسویں صدی کی پاکستانی شاعری پر اقبال کے اثرات

فرح دیبا، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی، سیال کوٹ
ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی سیال کوٹ

ABSTRACT:

Iqbal is not only an all-round personality but also a school of thought. We do not see that universality in the poetry before Iqbal. In the twentieth century, Iqbal started a revolution in Urdu poetry with his poetry. As well as being a thinker and philosopher, he was also a fan of ancient and modern science. The rise of mental development and imagination in Iqbal's poetry and literature is an example to follow. In this poetic creation, Iqbal has harmonized language with his thoughts in language and styles, reflection of nature, realism, national and national feeling, historical and religious tendencies, innovations, aesthetic style and lov. Being an all-round personality, his intellectual power is seen in the place of universality which has given birth to various styles and themes in Iqbal. It is because of this universality, that effects his personality and thought and art have been felt since that time. We will review these effects in this article with reference to the themes, styles, trends and forms.

Keywords: all-round personality, universality, revolution, thinker, philosopher, harmonized, religious tendencies, innovations, aesthetic, intellectual.

کلیدی الفاظ: ہمہ جہت، آفاقیت، شناور، ہمہ گیریت، ناگزیر، خوگر، معاشرتی انحطاط، اسلوبیاتی، احیائے امت اسلام، تصوف، استغنا، منکشف، آبگینہ، متنوع، رمزیت، پر شکوہ، بازگشت، عالم گیر، درخشندہ۔

اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت ہی نہیں بل کہ ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال سے پہلے کی شاعری میں ہمیں وہ آفاقیت نظر نہیں آتی۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں طرزِ خاص اپنایا ہوا تھا۔ اظہارِ بیان کے لیے غزل، مثنوی اور قصیدہ یا پھر رباعیات میں شعرا نے خاصہ مواد فراہم کر دیا تھا، جسے ہم کلاسیکی اَدب سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن بیسویں صدی میں اقبال نے اپنی شاعری سے اُردو شاعری میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ مفکر اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قدیم اور جدید علوم کے شناور بھی تھے۔ ذہنی ترقی اور تخیل کی بلند پروازی نے شعر وادب میں جو اضافہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس شعری تخلیق میں اقبال نے زبان کو اپنی فکر سے جو آہنگ دیا ہے۔ اس میں زبان وآسالیب،

فطرت کی عکاسی، حقیقت نگاری، قومی وملی احساس، تاریخی و مذہبی میلانات، صنائع بدائع، جمالیاتی طرز اور عشق و محبت غرض اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کے ساتھ ان کی فکری قوت آفاقیت کے اس مقام پر نظر آتی ہے جس نے اقبال کے ہاں متنوع اسالیب اور موضوعات کو جنم دیا ہے۔ ان کی اسی ہمہ گیریت اور آفاقیت کے سبب ہی ان کی شخصیت اور فکر و فن کے اثرات اس وقت سے لے کر آج تک واضح محسوس کیے جا رہے ہیں۔

اقبال سے قبل بھی اُردو شاعری میں مختلف موضوعات رائج تھے، لیکن وہ تمام موضوعات زیادہ تر روایتی تھے۔ لیکن اقبال نے حُسن و عشق کے موضوعات کے علاوہ دیگر موضوعات بھی اُردو شاعری میں متعارف کروائے۔ مثال کے طور پر اقبال نے فلسفہ خودی، عشق و خرد، غریب کسان، جمہوریت، مغربی تہذیب پر تنقید، اسلامی تہذیب کا حقیقی تعارف، حب الوطنی جیسے ملی و قومی موضوعات، فطری موضوعات حتیٰ کہ عشق رسول ﷺ جو ہر مسلمان شاعر کا کسی نہ کسی صورت میں موضوعِ سخن رہا، کو بھی ایک نئے انداز میں پیش کیا اور اس کے ذریعے سے مردِ مومن کے موضوع کی وضاحت اپنی شاعری میں بڑی عمدگی کے ساتھ کی۔

جہاں اقبال کے معاصرین اور بعد کے شعرا نے اقبال کا اثر قبول کیا ہے، وہیں اکیسویں صدی کی شاعری اور شعرا پر بھی یہ اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اکیسویں صدی کے نمائندہ شاعروں میں ایک نام احمد ندیم قاسمی کا بھی ہے۔ مثلاً ملی و قومی موضوعات پر اقبال نے جہاں خوب صورتی سے اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

؎ چین و عرب ہمارا ، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم ، وطن ہے سارا جہاں ہمارا(1)

اسی جذبۂ حب الوطنی کا اظہار اکیسویں صدی کی شاعری میں اس طرح سے کیا گیا ہے۔

؎ اے میرے وطن تیری فضا کتنی بھلی ہے
جنّت سے بھی پیاری تری ایک ایک گلی ہے(2)
(قتیل شفائی)

؎ چرخِ ایثار کے تابندہ ستارے ہو تم
وطن پاک کی عظمت کے سہارے ہو تم
مجھے خود اپنے ہی نغموں سے بھی پیارے ہو تم

بزم میں پھولوں کا مہکار ہو شبنم کا جمال
امن کے دور میں ہو مہر و محبت کی مثال(3)

اکیسویں صدی کے تقریباً ہر شاعر کے ہاں ہمیں قومی و ملی موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی، خالد یزدانی، منیر نیازی اور احمد فراز جیسے شاعروں کے ہاں ہمیں ان موضوعات کا خوب صورت بیان ملتا ہے، جس پر اقبال کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کا ایک سب سے اہم موضوع انسان ہے جو کہ کائنات کا محور ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں سب سے بڑا پیام انسانی عظمت اور انسان دوستی کا دیا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے موضوعات زیادہ تر انسانی اقدار سے متعلق ہیں۔ یہ دکھ درد کے شاعر ہیں۔ روحِ عصر کو سمجھنا ہو تو پھر ندیم کی شاعری کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے۔ ان کے کلام میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، وسعتِ افکار بھی ہے، سوز و ساز بھی، نت نئے تجربے بھی ہیں، محبت بھرے گیت بھی۔ ان کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ اکیسویں صدی کے عظیم شاعر ہی نہیں بل کہ عظیم انسان بھی ہیں۔ احمد ندیم قاسمی اقبال کی شاعری سے بے پناہ متاثر اور ان کی شخصیت سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے ہاں ہمیں اقبال کی طرح قومی و ملی موضوعات کے علاوہ رومانی اور ترقی پسند موضوعات بھی ملتے ہیں، جن میں اُنھوں نے انسان کی عظمت اور زندگی کے مختلف حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔

اقبال چوں کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ و متاثر تھے، لہٰذا ترقی پسند تحریک کے موضوعات کو اقبال نے بڑی خوبی سے برتا اور اَدب برائے زندگی کے تحت سیاسی اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج جیسے موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے۔ قارئینِ اَدب کے سامنے اقبال مختلف حیثیتوں سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کبھی وہ ترقی پسند ہیں، کبھی مبلغِ اسلام، کبھی مردِ مومن کے خواہش مند، کبھی پیام بر ہیں اور کبھی صوفی اور رومی کے مقلد ہیں۔ قاسمی قارئین سے ملتمس ہیں کہ اقبال کی شخصیت، فکر و فن غرض پورے اقبال کو سمجھنے کی کوشش کریں کیوں کہ فکرِ اقبال کا ہر پہلو ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔ قاسمی لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی۔۔۔ایک مربوط شخصیت ہے جس کے ہاں انسان اور اس کے مسائل، کائنات اور اس کے امکانات، زندگی اور اس کے تنوعات، بنی آدم کا مستقبل اور اس کے پھیلتے ہوئے آفاق۔۔۔سب ایک مکمل گل کے اَجزا ہیں۔ یوں وہ چاہے کسی بھی ایک موضوع پر اظہار کریں، اپنی پوری شخصیت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ ایک شائستہ اور باشعور جیتی جاگتی

اور اپنے چار طرف دیکھتی اور آنے والی ساعتوں تک کی چاپ سنتی اور سوچتی ہوئی شخصیت ہے۔۔۔ جدید انسانی زندگی کی بنیادی اہمیت کے مظاہرے کے لیے ان کے کلام میں آئینے نصب ہیں۔ سوا ایشیا، افریقا اور مغرب میں جو اقبال کو پڑھتا اور سنتا ہے، ان آئینوں میں اپنے آپ کو منعکس پاتا ہے۔''(۴)

قاسمی کے نزدیک اقبال ہی وہ واحد شاعر ہیں جو اپنے قاری کے وجدان کو اس طرح متاثر کرتے ہیں جس طرح شیکسپیئر، ملٹن، دانتے، فردوسی وغیرہ۔ اقبال دنیا کے دُکھوں میں قاری کے دل میں رجائیت کی شمع روشن کرتے ہیں اور روشن مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔ قاسمی کا کلام بھی اس رجائی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ اقبال کی زندگی ایک شاعر اور مفکر کی زندگی تھی اور شخصیت روشنی کا ایک ایسا مینار تھی جس نے اپنے افکار سے پورے عالم کو روشن کیا۔ قاسمی نے اپنی تحریروں کے ذریعے اقبال کے فکر و فن کے بارے میں متوازن انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ کہیں بھی انتہا پسندانہ یا متعصبانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ اقبال کی صد سالہ تقریبات میں جہاں دیگر اقبال شناسوں نے اپنے طور پر حصہ لیا، اپنی محبت کا اظہار مختلف انداز سے کیا، وہیں قاسمی جیسے محب اقبال کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ انھوں نے دیگر مضامین کے علاوہ ایک کتاب علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) لکھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج کے ساتھ ساتھ ایک روشن مستقبل کی امید بھی اقبال نے دلائی ہے۔ اکیسویں صدی کی شاعری کیفی اعظمی کے ہاں ہمیں اس کا کچھ اس انداز میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

؎ یہ شہر یاری، یہ تاج داری، وجود پر بار ہو گئی ہے
ہے جفا کی خو گر غریب دنیا جفا سے بیزار ہو گئی
زمیں پر چھاؤنی نگلنے پہ آج تیار ہو گئی ہے
کہ بھوک بیدار ہو گئی ہے(۵)

کیفی اعظمی کی شاعری سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں انسانی ہمدردی، وطن سے محبت، معیشت کی بدحالی کا جس طرز پر اظہار ہوا ہے، اس میں اقبال کی شاعری کا بڑا دخل ہے۔ کیفی اعظمی اقبال کی فکر سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال کے ہاں میں بھوک، افلاس اور مزدور جیسے موضوعات بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ اقبال اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں:

؎ دہقاں ہیں کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیرِ زمیں ہے
جاں بھی گرد غیر ، بدن بھی گرد غیر
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے(۶)

اقبال کی اس نظم کا اثر بھی اکیسویں صدی میں علی سردار جعفری کی نظم ''پتھر کی دیوار'' پر دیکھا جا سکتا ہے:

؎ بھوک کا بھیانک رُوپ
چکیوں کے بھدے راگ
روٹیوں کے دانتوں میں
ریت اور کنکر ہیں
دال کے پیالوں میں
زرد زرد پانی ہے
چاولوں کی صورت پر
مفلسی برستی ہے
کے زخموں سے سبزیوں
پیپ سی ٹپکتی ہے(۷)

جعفری نے حیات و کائنات اور معاشرتی انحطاط کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں واضح طور پر اقبال کے فکری، معنوی اور اُسلوبیاتی اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

ٹرینڈ یا رجحان کے اعتبار سے اگر اقبال کے شعری رجحان کی بات کریں تو ان کی شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امتِ اسلام کی طرف تھا۔ اس کے علاوہ مذہبی، سیاسی و سماجی اور معاشرتی مسائل اور ان کے حل کا رجحان بھی میں اقبال کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری کے اوائل میں ہمیں رومان بھی نظر آتا ہے۔ اگرچہ آگے جا کر اس رومان کی جگہ نیچرل شاعری نے لے لی، پھر بھی اقبال کی ابتدائی شاعری میں ہمیں رومانی شاعری کے اثرات نظر آتے ہیں۔ ''بانگ درا'' کے حصّہ دوم میں ان کی رومانی شاعری کی جھلک ملتی ہے لیکن ان کا زیادہ تر رجحان

مقصدی شاعری کی طرف ہی تھا۔ اقبال کے ان شعری رجحانات نے بعد میں آنے والے شعرا کے لیے ایک نئی راہ ہموار کی اور بہت سے شعرا نے ان رجحانات سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے شاعری کے میدان میں بہت نام کمایا۔ یہ روایت برصغیر پاک و ہند میں بھی برقرار رہی اور آج اکیسویں صدی میں بھی ایسے بہت سے شعر ہیں، جن کے کلام میں ہمیں اقبال کا سارنگ اور اقبال کے رجحانات کی جھلک نظر آتی ہے۔

اکیسویں صدی کی شاعری میں عباس تابش ایک ایسا نام ہے جن کی شاعری میں ہمیں اقبال کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ عباس تابش کی شاعری کے رجحان کے متعلق محمد ثاقب تبسم اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

> ''عباس تابش کی شاعری میں پائے جانے والے رجحانات کی زمرہ بندی کی جائے تو اس میں گھر، شہرِ انقلاب، معاشی و معاشرتی رجحانات ملتے ہیں۔۔۔ عباس تابش کے شعری رجحانات میں نظام کی ناہمواریوں کے خلاف احتجاج بھی نظر آتا ہے۔''(۸)

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اقبال کے رجحانات میں سے ایک تصوف بھی ہے۔ اس تصوف کو انھوں نے اپنی شاعری میں جا بہ جا بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ عاجزی و انکساری، فقر و استغنا اور درویشی و جبر یہ زندگی گزارنا وغیرہ تصوف کے اہم موضوعات میں سے ہیں، جنھیں اقبال نے احسن انداز میں برتا ہے۔

پرندوں کو استعاراتی طور پر استعمال کرنے کا رجحان تابش کے ہاں بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ پرندوں کے استعارے کو اقبال نے برتا لیکن تابش نے اسے مزید وسعت عطا کی ہے۔ اقبال فقط شاہین کو اپنی شاعری میں علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن عباس تابش مجموعی طور پر پرندوں کو بطورِ علامت استعمال کرتے ہیں۔ محمد ثاقب تبسم اس بارے میں رقم طراز ہیں:

> پیڑ اور پرندے عباس تابش کے شعری نظام کا ایک بڑا حصہ ہیں۔ اُنھوں نے داخلیت اور خارجیت کے کم و بیش تمام راز پیڑوں اور پرندوں کے ذریعے منکشف کیے ہیں۔ ان کے ہاں حسن و عشق، تصوف، ہجر و وصال، اور ہجرت سمیت زندگی کے دیگر مضامین پیڑوں اور پرندوں کے حصار میں نظر آتے ہیں۔''(9)

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ پرندوں کو بطور علامت استعمال کر کے تصوف کے مضامین کی وضاحت کرنا دراصل اقبال کی شاعری کا ہی اثر ہے جو اکیسویں صدی کے شعرا خصوصاً عباس تابش کی شاعری میں پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اقبال بھی پرندے کو درویشی کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عباس تابش نے بھی اقبال سے

استفادہ کرتے ہوئے پرندے کو درویشی کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اقبال شاہین کو درویشی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور تابش کبوتر کو، جیسا کہ ڈاکٹر ضیاالحسن لکھتے ہیں:

> ''تابش کی شاعری عشق / درویشی سے اپنے ہنر کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے لیے اس نے پرندے کی علامت منتخب کیا ہے، پرندوں میں بھی اسے کبوتر کی علامت زیادہ پسند ہے جو درویش پرندہ ہے اور عموماً مزاروں پر پایا جاتا ہے۔ پرندہ معصومیت، حُسن، بے ضرری کی علامت ہے۔''(۱۰)

مثال کے طور پر تابش لکھتے ہیں:

؎ اب چوک میں پڑے ہیں ہم جنگلی کبوتر
غُرفے کی جالیوں میں ہوتا تھا گھر ہمارا(۱۱)

ان کے علاوہ سرشار صدیقی، فضا ابن فیض، الیاس عشقی، ادا جعفری، اختر پیامی اور بہت سے دیگر شعرا میں اکیسویں صدی میں ایسے ملتے ہیں جن کے ہاں اقبال کے رجحانات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے:

اسالیب اور ہیئت کے حوالے سے اقبال کے افکار خاصے متنوع نظر آتے ہیں۔ اقبال نے جس اسلوب کو اپنایا وہ ذاتی طور پر انھی سے مخصوص ہے۔ انھوں نے خطابیہ اسلوب کو اپناتے ہوئے اپنے افکار و نگارشات کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ ان کی زیادہ تر نظموں میں مخاطبہ پایا جاتا ہے۔ جیسے کسی سے ہم کلام ہیں۔ مثلاً: طفلِ شیر خوار، حرفِ ندا، شمع و شاعر، والدہ مرحومہ کی یاد میں، بزمِ انجم، شکوہ، جوابِ شکوہ ایسی نظمیں ہیں جن میں خطیبانہ اسلوب پایا جاتا ہے۔ اقبال کے اسلوب میں جو آہنگ میں نظر آتا ہے، اس میں نغمگی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ غزلوں میں غنائیت، موسیقیت، خطابت اور لفظوں کا دروبست رمزیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر ساجد امجد اقبال کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''رومانی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی زبان کو پُر شکوہ الفاظ اور خوب صورت تشبیہات سے سنوارتے ہیں، جس سے ان کے اسلوب میں ایک طاقت پیدا ہوتی ہے جو معنوی حُسن سے مل کر شان و دل ربائی پیدا کرتی ہے۔ اقبال تشبیہوں کا بادشاہ ہے اور تشبیہ حُسن کلام کا زیور ہے۔ وہ مضمون کی طرفگی اور حُسن کو اپنی تشبیہوں سے دوبالا کر دیتا ہے۔ اقبال کے

اسلوب کی ایک اہم صفت اس کا آہنگ ہے۔ اس نے ایسی بحریں استعمال کی ہیں، الفاظ کی در وبست ایسی ہے جو موسیقیت اور لحن پیدا کرتی ہے۔ نغمگی کا وافر حصہ اقبال کے حصہ میں آیا ہے۔ اقبال ایک خطیب ہے اور اس کا اسلوب خطیبانہ، لہٰذا خطابت کی بلند آہنگی اس اسلوب کی شاید سب سے اہم صفت ہے۔''(12)

فہمیدہ ریاض بھی اکیسویں صدی کی معروف و مقبول شاعرہ ہیں جنھوں نے عورت کے حق میں بہت کچھ لکھا۔ ان کی شاعری کا اسلوب رومانی بھی ہے جس دھیما پن اور شیرینی پائی جاتی ہے جب کہ حقیقت پسندانہ شاعری میں بے باک انداز ملتا ہے۔ ان کے اسلوب میں بھی ہمیں اقبال کی جھلک نظر آتی ہے۔ جون ایلیا کے ہاں بھی اقبال کے خطیبانہ اسلوب کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

احمد فراز اکیسویں صدی کے شعرا میں ممتاز مقام کے حامل اور صاحبِ اسلوب شاعر ہیں۔ ان کے اسلوب میں رومانی لطافت اور احتجاجی شاعری میں بلند آہنگی اور جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

احمد فراز کے علاوہ افتخار عارف ایسے شاعر جن کی نظموں پر اقبال کا عکس نظر آتا ہے۔ اقبال اور افتخار عارف میں جو بات مشترک ہے وہ یہ کہ ان دونوں کے ہاں مکالماتی انداز پایا جاتا ہے۔ مثلاً افتخار عارف کی نظم مکالمہ پر اقبال کی نظم ''خضرِ راہ'' کی تصویر کاری اور محاکات قابلِ تعریف ہے۔ اس کے علاوہ افتخار کی نظموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مختصر مصرعوں اور چند مصرعوں سے نظم کو مکمل کرتے ہیں۔ ان کا یہ اختصار اقبال کے ''ضربِ کلیم'' میں ملاحظہ کیجیے۔ ان کی نظموں میں اقبال کی طرح ایمائی تشبیہات سے کام لیا گیا ہے۔ ایمائی تشبیہ دراصل خیال کی وہ صورت ہے جو اپنے اندر بے پناہ معنویت اور وسعت رکھتی ہے۔

نظم میں نئی تراکیب اور نئے الفاظ و قور و وارفتگی، نور کی ندیوں، لہو کی یہ انجمن، بدن کی بیسا کھیوں، سنگلاخ رستے، یہ اقبال کا وہ کینوس ہے، جسے بعد کے شعرا نے مشعل بنا کر تقلید کے رشتے سے منسلک ہو کر اقبال کے افکار کی تائید کی ہے۔

احمد ظفر اکیسویں صدی کی ایک معروف آواز ہیں، جن کی شاعری اس بات کی آئینہ دار ہے کہ انھوں نے اقبال کے افکار سے کماحقہ کسبِ فیض کیا ہے۔ کیوں کہ اقبال و غالب کے بعد وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے موضوعات کو وسعت دی اور اپنے اُسلوب کو اجاگر کیا۔ اپنے افکار اور فن کارانہ صلاحیت سے ایک ایسا نظام فکر عطا کیا، جس کی تقلید لازم و ملزوم ہو گئی۔ اقبال کی نظم ''والدۂ مرحومہ کی یاد میں'' تخاطب کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔

احمد ظفر نے اپنے تاثرات ''ماں'' کے عنوان سے اس طرح ظاہر کیے ہیں کہ جیسے اقبال کی نظم کا ترجمہ پڑھ رہے ہوں۔ اقبال کے خطیبانہ اسلوب کی جھلک اس میں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دھند میں لپٹی میلی رات ہے تیری چادر
تارے وہ پیوند ہیں جن میں
تیری لاج سمٹ جاتی ہے
پیڑ کی چھال بدن ہے تیرا
بیوہ آنکھیں
برگ و بار سے عاری شاخیں
سوکھے پتے ، تیرے ہونٹ ہیں
خاموشی آواز کا پیکر
چاک گریباں تیرے بیٹے
پھول ہیں جن کی دھیمی خوشبو
دشت و دمن میں پھیل رہی ہے[۱۳]

اقبال کے کلام میں معنی و مطالب کا ایک دفتر نظر آتا ہے اور بعض شعرا میں اقبال کی اس فکر کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ احمد ظفر کے عنوانات اس بات کا اظہار ہیں اور ان کی نظموں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اقبال کی فکر کے علاوہ ان کے اسلوب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری میں مکالماتی اسلوب کو بھی اپنایا ہے، جس کا اثر اکیسویں صدی کے شعرا نے بھی قبول کیا ہے۔ الغرض اقبال کا اثر خواہ وہ فکر کے حوالے سے ہو یا ہیئت و اسالیب یا رجحانات کے حوالے سے ہو، گذشتہ صدی کی طرح آج کی شاعری میں بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے اور یقیناً آئندہ بھی رہے گا کیوں کہ اقبال ایک شخص کا نام نہیں بل کہ ایک ایسی عالم گیر فکر کا نام ہے جو آج بھی اتنی دہائیاں گزرنے کے بعد اتنی ہی تابندہ و درخشندہ ہے جتنی پہلے تھی، بل کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی روشنی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ دوسری طرف اقبال کی شاعری

فقط چند اشعار یا نظموں کا مجموعی نہیں بل کہ ایک دبستان کی حیثیت رکھتی ہے جس کی وجہ سے ہر دور اس کا اثر قبول کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال اردو، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۲
2. مظہر علی خان، اردو نظم پر اقبال کے اثرات، جامعہ کراچی شعبہ اردو، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۷
3. مظہر علی خان، اردو نظم پر اقبال کے اثرات، جامعہ کراچی شعبہ اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۶
4. محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال اردو، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۹۷ء، ص 56
5. کیفی اعظمی، آوارہ سجدے، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء، ص ۲۴
6. مظہر علی خان، اردو نظم پر اقبال کے اثرات، جامعہ کراچی شعبہ اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۹
7. علی سردار جعفری، پتھر کی دیوار، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۹-۲۵
8. محمد ثاقب تبسم، عباس تابش کی شاعری کے موضوعات، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ص ۹۱
9. محمد ثاقب تبسم، عباس تابش کی شاعری کے موضوعات، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ص ۱۰۰
10. ضیاالحسن، ڈاکٹر، دیباچہ: شجر تسبیح کرتے ہیں، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۹
11. غلام عباس تابش، شجر تسبیح کرتے ہیں، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۵، ص ۴۷
12. ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۸۳
13. مظہر علی خان، اردو نظم پر اقبال کے اثرات، جامعہ کراچی شعبہ اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۲۳۳